ZAUQ-E-TAHQEEQ
www.Zauq-e-Tahqeeq.com
editor@zauq-e-tahqeeq.com
ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE:2789-8784
Volume.7,Issue No.3 (2025)
(July to September)

رامؔ ریاض کی شاعری اور انسانی رویے: تحقیق و تجزیہ

Ram Riaz's Poetry and Human Behaviors: A Research and Analytical Study

ڈاکٹر ماجد مشتاق
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد

Dr. Majid Mushtaq
Assistant Professor, Department of Urdu, Govt. College University, Faisalabad

Abstract:
Muhammad Riaz renowned as Ram Riaz is one of the poets having new trends in their poetry, especially in Urdu Ghazal. Ram Riaz's ghazal having many shades like love, affection, natural beauty and social values. One of his favorite topics to restrain the values at human level and a better social atmosphere for the human beings. He reflects decline in human behaviors in the society which causes ethical, social and human decline, so this article directly addresses the aspect of human behavior and humanity in the ghazals of Ram Riaz. This article will help the students of Urdu literature to know about Ram Riaz and his poetry with respect of his concept of humanity.

Keywords: Ram Riaz, Metaphor, Bitter Reality, Similarity, New Angle, Materialistic Approach, Epitaph, Imperialism, Karl Marx

رامؔ ریاض کا شمار جدید غزل گو شعرا میں ہوتا ہے۔ ۱۹۳۳ء(۱) میں پانی پت بھارت میں پیدا ہونے والے رام ریاض نے زندگی کا زیادہ حصہ جھنگ میں گزارا۔ تقسیمِ ہند کے بعد ہجرت کر کے یہ خاندان جھنگ میں آباد ہوا اور رامؔ ریاض اپنی وفات تک یہیں مقیم رہے۔ رامؔ ریاض کی غزل جدید اسلوب اور موضوعات کی مظہر ہے۔ ان کا شعری سرمایہ دو مجموعوں "پیڑ اور پتے" اور "ورقِ سنگ" پر مشتمل ہے۔ کچھ غیر مطبوعہ سلام، مرثیے اور نوحے بھی ان کی شعری بصیرت کا مظہر ہیں۔ خاندانی مسائل اور بے روزگاری جیسے عفریت ان کی زندگی میں ہمیشہ ساتھ رہے، یہی وجہ ہے کہ ان کی غزلوں میں زندگی کی جو تصویریں بنتی ہیں وہ انسانی حِسیت کی عکاس اور آئینہ دار ہیں۔ وہ اپنی کتاب "پیڑ اور پتے" کا انتساب بھی اسی پیرائے میں تحریر کرتے ہیں:

> "اس محسن کے نام۔۔۔ جس نے مجھے بے روزگار کر کے عمر بھر کے لیے اپاہج زندگی کے حوالے کر دیا۔"(۲)

رامؔ ریاض کی غزلیں جہاں فطرت سے محبت اور لگاؤ کا عمدہ نمونہ ہے وہیں انسانی زندگی کا غم اور المیہ بھی ان کے موضوعات کو وسعت بخشتا ہے۔ ان کے اشعار میں اشجار، پیڑ، پتے، پتھر، خوشبو، جگنو، چاندنی اور دھوپ جیسے استعارے بھرپور معنوی نظام کے ساتھ جلوہ گر ہوتے ہیں۔ ان کی غزلیں روایتی انداز کے عشق و محبت، ہجر و وصال اور انسانی لمس سے مبرا ہیں۔ وہ انسان اور انسانی زندگی کی کج رویوں اور انسانی رویوں کے بدنما پہلوؤں کو موضوعات بناتے ہیں یہ انسانی فطرت ہے کہ وہ جہاں آباد ہے ارد گرد کے ماحول سے پیار کرتا ہے، ایک انسیت اسے اس مٹی سے جوڑے رکھتی ہے اور وہ اس مٹی اور دھرتی پر مثالی زندگی کا خواہاں نظر آتا ہے۔ رامؔ ریاض بھی

انسانوں کی بستی میں رائج پہلوؤں پر کبیدہ خاطر نظر آتے ہیں جو ہجوم اور بستی میں فرق قائم کریں۔ انسانی رشتے اور ان میں احساس کی شدت سے زندگی کی آسانی میسر آسکتی ہے جب یہ ناپید ہو جائے تو انسانوں کی بستی کسی جنگل ویرانے اور اجاڑ کی تصویر بن جاتی ہے۔ وہ انسانی رشتوں کی اسی بے حسی کو موضوع بناتے ہوئے کہتے ہیں:

میں رامؔ سب سے بڑا ہوں اور اس زمانے میں
بڑوں کو لوگ گھروں سے نکال دیتے ہیں(۳)

ایسی تلخ حقیقت جسے آج کا انسان اپنی آنکھوں کے سامنے رُونپذیر ہوتے دیکھتا ہے اور اس کا ادراک رامؔ ریاض نے دہائیوں پہلے کیا اور نہایت نفاست کے ساتھ پیش کیا۔ انسانی زندگی اور رشتوں کی یہی بے حسی روایت کے ساتھ جڑتے ہوئے بھی ان کے شعروں کا موضوع بنتی ہے وہ خونی رشتوں میں در آئی مادیت پرستی، حرص، ہوس اور لالچ کو محسوس کرتے ہیں اور اس کا اظہار کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی غزلوں سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ جیسے یہ المیہ آج کا نہیں بلکہ مادیت پرستی نے جب بھی زور پکڑا تو لوگ انھی رویوں پہ اتر آئے جہاں بڑے چھوٹے کی تمیز ختم ہوئی لوگوں نے ہر رشتے اور ہر ناتے کو پیسوں کے ترازو میں تولنے کی کوشش کی رامؔ ریاض اس رویے پر پُرزور طنز اور اپنی شاعری میں اس کا برملا اظہار کرتے ہیں۔ یہی مادیت پرستی جب اپنوں میں در آئے تو پھر دشمن اور بھائی میں فرق باقی نہیں رہتا:

دشمن تجھے کیسے نظر آنے لگے دشمن
تو نے ابھی دیکھے نہیں بھائی ، میرے بھائی(۴)

گو کہ یہ موضوع شاعری میں نیا نہیں بہت سے شعراء نے اپنے شعروں میں بھائی دوست اور دشمن کا فرق بڑے عمدگی سے واضح کیا ہے حالیؔ کا یہ شعر تو ضرب المثل بن چکا ہے:

آرہی ہے چاہِ یوسف سے صدا
دوست یاں تھوڑے ہیں اور بھائی بہت(۵)

رامؔ ریاض نے اپنے ایک اور شعر میں بھائی اور حقدار اور حق جتانے کے عمل کو بھی مادیت کے پیرائے میں پیش کیا ہے:

اپنا حق لوگ کہاں چھوڑتے ہیں
دوست بن جائیں ، برادر ہو جائیں(۶)

گو کہ یہ دونوں شعر موضوع میں مماثلت رکھتے ہیں مگر رامؔ کے اشعار اپنے اسلوب اور شاعرانہ بے تکلفی کے ساتھ سہل ممتنع کی حیثیت رکھتے ہیں جہاں استفہام کے پردے میں کئی ذیلی موضوعات پنہاں ہیں، قاری اسے اپنے ذاتی تجربے پر پرکھتا اور کئی زاویوں سے دیکھتے ہوئے نئی تفہیم کی طرف سفر کرتا ہے۔ یہی شاعر کا فن اور ملکہ ہے کہ وہ ذاتی تجربے کو آفاقی رنگ عطا کرتا ہے اور اس سے تاثیت میں اضافہ کرتا دکھائی دیتا ہے۔ رامؔ ریاض کی غزلیں مادیت پرستی کے اس دور میں ایک نیا زاویہ عطا کرتی ہیں جو کھلی حقیقت ہیں اور مادیت پرستی کا یہ دور ہنر اور اہلِ ہنر کے لیے سدِ راہ نظر آتا ہے۔ ان کے نزدیک انسانی ترقی نے مادیت کا لباس پہن کر باقی تمام پیمانے مسترد کر دیے ہیں جس سے انسانی بے توقیری اور ذلت اس کا مقدر بن گئی ہے۔ اور اس کا ذمہ دار بھی کوئی دوسرا نہیں خود انسان ہے اور اس ساری ذلت و رسوائی کا سہرا بھی اس کے سر ہے۔ عظیم ترین منصب پر فائز یہ حضرتِ انسان خود کو سکوں کے ترازو میں تولتا ہے اور اپنی قدر و قیمت کا اندازہ کر کے خوش ہوتا ہے اور دوسرے انسانوں کے لیے اسی پیمانے کو جائز اور روا سمجھتا ہے۔ یہ

عمومی رویہ ایک حساس فرد، ایک شاعر پر لاگو نہیں ہوتا۔ وہ اس معیار کو تسلیم نہیں کرتا اور اسے یہ پیمانے قبول نہیں وہ اپنی سوچ اور فکر کو اثاثہ سمجھتا ہے اور اسے ہی گوشۂ عافیت قرار دیتا ہے۔ رامؔ ریاض اپنے معیارات کو الگ رکھتے ہوئے انھی حساس افراد کے نمائندگی کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ ان کے لیے انسانی ترقی کا یہ رخ اور یہ معیارات قابل قبول نہیں۔ وہ کہتے ہیں:

ہم کہنہ روایات کے مجرم ہیں کہ ہم نے
انساں کبھی سونے کے ترازو میں نہ تولے
پھر رام یہاں چپ کو بہت دیر لگے گی
جی کھول کے ہنس لے ابھی جی کھول کے رو لے(۷)

مادہ پرستی کے حامل افراد کے لیے مختلف ادوار میں مختلف معیارات رہے اس دور میں یہ معیار بدل چکا۔ معیار کے پیمانے بدل چکے انسانی زندگی کی قدر و قیمت اخلاقی معیارات پر عمل کرنے والے خسارے میں سمجھے جاتے ہیں اور یہ خسارہ موجودہ دور کے مہذب ترقی یافتہ معاشرے کو قبول نہیں رامؔ ریاض نے 'چپ' کو بھی ایک بھرپور علامت کے طور پر استعمال کیا ہے۔ یہ 'چپ' جو کبھی جبر کی علامت بن کر مضبوط استبدادی نظام کی حامل نظر آتی ہے۔ رامؔ ریاض نے یہاں بھی حسیاتی سطح پر اختلاف اور اختلاف رائے کے فرق کو واضح جلوہ گری کے ساتھ پیش کیا ہے یہ اختلاف اور اختلاف رائے جو اہل حوس اور مقتدر طبقے کے لیے مخالفت کے لیے معنی لیے ہوئے ہیں۔ اختلاف رائے کی یہ بنیادیں دنیاوی معیارات کو بدلتی چلی جا رہی ہیں۔ اختلاف اور اختلاف رائے کے حوالے سے ثنا اللہ ظہیرؔ صاحب نے خوبصورت انداز میں وضاحت کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

میں دے رہا ہوں تمہیں خود سے اختلاف کا حق
یہ اختلاف کا حق ہے مخالفت کا نہیں(۸)

رامؔ ریاض نے سی اختلاف رائے کو اپنے انداز میں واضح کیا اور اس کی بنیاد بھی مادہ پرستی پر رکھتے ہوئے اس مادیت کو اپنے انداز میں واضح کیا ہے۔ یہ مادیت جو انسانی حسیات اور آواز کو حزب مخالف کے طور پر لیتی ہے جس کا برا مانتی ہے۔ وہ اس چپ کو اپنے لیے اثاثہ سمجھتے ہیں اور زادِ راہ کے ساتھ ہجرت میں آسائش محسوس کرتے ہیں مگر اس سچائی پر، دانائی پر، فہم و فراست پر، باطل اور بے حقیقت معیارات کی برتری قبول نہیں کرتے اور سمجھوتہ کرنے کے قائل نظر نہیں آتے۔ اس طرزِ احساس کو رامؔ نے ان اشعار میں یوں واضح کرتے ہیں:

ہاتھ خالی ہوں تو دانائی کا اظہار نہ کر
ایسی باتوں کا بڑے لوگ برا مانتے ہیں
رامؔ اس شہر میں رہنے کا ارادہ ہی نہیں
دل لگانے کے تو ہم سارے ہُنر جانتے ہیں(۹)

یہاں یہ گمان بھی گزرتا ہے کہ ہجرت کرنا بھی ایک سمجھوتا ہے مگر اس سمجھوتے کے لیے رامؔ ریاض نے جو اسلوب اختیار کیا ہے وہ اسے بالکل بھی سمجھوتے کے رنگ میں پیش نہیں کرتا۔ وہ وہ اپنے لہجے کی سختی، اپنے اسلوب کی نرمی اور اپنے شعر میں روانی سے نئے معنی اجاگر کرتے نظر آتے ہیں ان کا ایک اور شعر ان کے جذبات کی بھرپور عکاسی کرتا دکھائی دیتا ہے فرماتے ہیں:

میری زباں پہ اتنے نہ سخت پہرے بٹھا

یہ آب اور کوئی راستہ بنا لے گا(۱۰)

یہاں یہ بات واضح دکھائی دیتی ہے کہ رامؔ ریاض کے نزدیک صرف ہجرت کرنا ہی مسائل کا حل نہیں بلکہ وہ اپنے لہجے کی سختی سے استبدادی نظام کے کار فرماؤں کو خوفزدہ کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک ان کا لب و لہجہ کسی قید سے، کسی سختی سے، کسی جبر سے دبنے والا نہیں، یہ اپنے لیے نئے راستے بنائے گا وہ راستے جو اس انسانی زندگی کے لیے مفید اور انسانیت کے لیے آسانیاں پیدا کریں گے۔ اپنے اس لب و لہجے سے وہ دوسروں کو خوف زدہ ہوتے ہوئے محسوس کرتے ہیں۔ بالخصوص اس نظام کے ان کرتا دھرتاؤں کو جو اونچے سنگھاسن پر بیٹھ کر بھی اپنے لیے نئے سے نئے راستے نکالنے کی فکر میں رہتے ہیں مگر ایک حساس فرد ایک شاعر ان کے لہجے کے ڈر اور ان کے اندر چھپے ہوئے اس خوف کو محسوس کرتے ہوئے کہتا ہے:

ہم سے کوئی اندیشہ کوئی خوف نہ تھا
پھر بھی اونچے لوگ کنارہ کرتے ہیں(۱۱)

رامؔ ریاض کا احساس صرف اجتماعی سطح پر نہیں بلکہ وہ انسانی سطح پر انفرادیت میں بھی ان معیارات کو دیکھتے نظر آتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہاں ہر شخص اپنے لیے ایک الگ معیار قائم کیے ہوئے ہے۔ وہ ظاہر میں شفافیت و نفاست کے ساتھ دل کی کدورتیں ساتھ لیے چلتا ہے اور ایسے سادہ لوح جو ان پر اعتبار کرتے ہیں ان کو ان کا ظاہر اجلا دکھائی دیتا ہے۔ یہ منافقت اس عہد کا خاصا ہے۔ رامؔ ریاض کے نزدیک جس شخص کو بھی پرکھا جائے اس کے اندر کوئی ایسی غلاظت، کوئی ایسا داغ نکلتا ہے کہ اس کا سارا اُجلا پن جو ظاہر میں واضح تھا وہ مزید تکلیف دہ صورتِ حال کے ساتھ سامنے جاگزیں ہوتا دکھائی دیتا ہے۔ اپنے اس شعر میں وہ مکالمے کا سا انداز اپناتے ہوئے کہتے ہیں:

تو کہ ہر شخص کو اجلا سمجھے
ہم کہ ہر دل میں کدورت دیکھیں(۱۲)

رامؔ ریاض کے نزدیک یہ انفرادی سطح کی منافقت اس معاشرے کے چہرے پر ایک گہن کی صورت نمودار ہوتی ہے۔ ان کے نزدیک باہمی تعلقات میں اس طرح کے رویے انسانی زندگی کو تلخ سے تلخ تر بنا رہے ہیں زندگی کی یہ حقیقتیں ہر ذی شعور کے ضمیر کو جھنجھوڑ رہی ہیں۔ وہ انسانوں کے اس طرح برتاؤ پر طنز کا نشانہ باندھتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر تمہارے ہی اندر کا میلا پن تمہارے چہروں پر چھلک آئے گا تو تم دنیا کو کیا صورت دکھاؤ گے۔ ساتھ ہی ساتھ اس عہد کے ان انسانوں کو جو اپنے ذاتی مفاد کے لیے دوسروں کے ساتھ دھوکا، فریب اور دغابازی کرتے دکھائی دیتے ہیں ان پر بھی طنز کا گہرا نشتر چلتا دکھائی دیتا ہے اور پھر ذاتی معاملات میں یہ بات اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ جس پر تکیہ کیا ہوتا ہے وہی شخص دشمن کی صف میں کھڑا نظر آتا ہے۔ ذاتی حسیات میں کوئی شخص اس طرح کے معاملے کو جب دیکھتا ہے تو وہ اندر سے ٹوٹتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ دشمنوں کی صف میں کسی اپنے کو کھڑا دیکھنا ایک ایسی اذیت ہے، جس کا اندازہ لگانا ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ خالد شریف نے کہا تھا:

دلچسپ واقعہ ہے کہ کل ایک عزیز دوست
اپنے مفاد پر مجھے قربان کر گیا(۱۳)

رامؔ ریاض کی شاعری میں یہ موضوع بہت سادگی اور سلاست کے ساتھ نظر آتا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

میں نے اس بارے میں سوچا ہی نہ تھا

تو بھی ، دشمن کبھی میرا ہو گا(۱۴)

رامؔ ریاض کا یہ طرز اظہار جو ایک حیرت اور ناکامی جذبات کی عکاسی کرتا ہے کیسی سلاست کے ساتھ بیان ہوا کہ انسان کے وہم و گمان میں اور امکان کی حدوں سے پرے یہ رویے انسان کے لیے کتنے تکلیف دہ ہو سکتے ہیں اور ان رویوں سے یہ انسانی معاشرہ کس بری طرح متاثر ہو سکتا ہے اس کا ادراک اس شعر میں نظر آتا ہے۔ رامؔ ریاض کے نزدیک انسانی زندگی کے یہ معیارات انسانوں کی آبادیوں کو جنگلوں میں تبدیل کر رہے ہیں۔ انسانی آبادی ایک بھیڑ کی صورت دکھائی دیتی ہے جس طرح سے جانوروں کا کوئی ریوڑ، کوئی غول بس زندگی کے دن پورے کرتا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اگر انسان معاشرہ اور معاشرے کی تشکیل کے بنیادی اصولوں سے پرے انسانی اخلاقیات کو ترک کرتے ہوئے ذاتی مفادات کے پیچھے بھاگتا دکھائی دے تو یہ دنیا کسی جنگل، کسی ویرانے، کسی قتل گاہ سے کم دکھائی نہیں دیتی اور جب یہ مادیت پرستی اور مفاد پرستی کا دور اپنے عروج پر پہنچ جاتا ہے تو ہمسائے میں بسنے والے شخص کی تکلیف اور مصیبت کا احساس تو کیا ادراک بھی ختم ہو جاتا ہے۔ بڑے بڑے مکانوں میں بستے ہوئے چھوٹے چھوٹے احساس کے لوگ اس معاشرے کے لیے زہر قاتل کی حیثیت رکھتے ہیں ایسے انسانوں کا صرف ایک ہی مقصد ہے کہ وہ اپنی زندگی میں آسانیاں پیدا کرتے ہوئے کس کی گردن پہ پاؤں رکھیں اور کس کے سر کو روند کر آگے بڑھتے چلے جائیں۔ اب ایسی کیفیت میں کوئی حساس فرد کیسے اس بھیڑ کو معاشرے کا نام دے، شہروں کو کیسے مہذب اور ترقی یافتہ کہے اور کیسے انسانی ترقیوں کے گن گائے؟ رامؔ ریاض کی غزلوں میں یہ احساس شدت کے ساتھ دکھائی دیتا ہے۔ وہ اپنے اشعار میں انسانوں کی ان کیفیات کا اظہار کچھ اس انداز میں کرتے ہیں کہ جیسے وہ چاہتے ہوں کہ انسان کو اپنے اصل کی طرف لوٹ آنا چاہیے وگرنہ یہ آبادیاں دھوپ کے نیزے لیے ہوئے انھیں انی پر ٹکائے کسی سورج کے سامنے بھون کے رکھ دیں۔ اس تپش اور شدت سے بچنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے وہ احساس اور احساس سے آتی ہوئی خوشبو اور تازہ ہوا کے جھونکے ہیں۔ رامؔ ریاض اپنے اشعار میں انھی کیفیات کا اظہار کچھ یوں کرتے ہیں:

بہتا تھا میرے پاؤں تلے ریت کا دریا
اور دھوپ کے نیزے میری نس نس میں گڑے تھے
جنگل نظر آتے ہیں بھرے شہر ہمیں تو
کہتے ہیں کہ اس دنیا میں انسان بڑے تھے(۱۵)

یہاں رامؔ ریاض ایک ماہر فلسفی کی طرح انسانی معاشرے کی نفس پر ہاتھ رکھتے ہوئے انسان اور آدمی میں فرق واضح کر رہے ہیں۔ اگر انسان میں احساس ختم ہو جائے تو وہ ایک کَل پُرزہ ہے جو میں سانس لینے کے بل بوتے پر خود کو اشرف المخلوقات کہلاتا ہے ،وگرنہ معاشرہ یا معاشرے کے افراد اس سے کسی طرح سے خوش نہیں اور نہ ہی وہ لوگوں کے لیے کوئی مفید رویہ یا زاویہ رکھتا ہے ۔یہاں یہ بات بڑی واضح دکھائی دیتی ہے کہ رامؔ ریاض کے لیے احساس ہی انسانیت اور آدمیت کی بنیاد ہے۔ وہ ہر اس شخص کو انسان کہتے ہیں جو نافع ہو جو دوسروں کے کام آئے اور دوسروں کے لیے مفید ہو ایک اسلامی معاشرے کا فرد شاید انھی بنیادوں پر سوچتا ہے جو اخلاقی قدریں نظریاتی سطح پر اسے عطا ہوئیں اور عملی سطح پر اس کی کار فرمائی نے انسانی تاریخ کو ایسے زاویے عطا کیے جس سے انسان صحیح معنوں میں انسان کہلانے کے قابل بھی ہوا اور انسانی زندگی میں ایسی مثبت قدریں آئیں کہ جس سے انسان اور انسان کے ساتھ تمام تر مخلوقات کی فلاح اور بہبود کے پہلو نظر آئیں۔ مگر افسوس کہ آج کے ترقی یافتہ دور کا انسان شہروں کی بڑھتی ہوئی آبادی اور اس آبادی کے ساتھ بڑھتی ہوئی آسائشوں کو شاید ترقی کا نام دے رہا ہے۔ رامؔ ریاض اس سے کہیں دور دکھائی دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک شہروں

میں بسنے والے یہ انسان نہ تو احساس رکھتے ہیں اور نہ ہی زبان، لہٰذا ان کی زندگی پتھروں کی طرح ہے۔ جس طرح سے بڑی عمارتیں کنکریٹ اور پتھر سے تعمیر کی گئی ہیں ایسے ہی انسانی جسم بھی اسی پتھر نما پیکر کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں:

تمام شہر میں ہے پتھروں کی آبادی
کوئی نگاہ سے عاری کوئی زبان سے ہے(۱۶)

جدید ترقی یافتہ دور میں جہاں شہروں کے حجم سے اس کے بڑے اور چھوٹے پن کا اندازہ لگایا جاتا ہے اور پھیلتی ہوئی آبادیوں سے شہروں کا حجم ناپ کر انھیں اس سطح پر دنیا میں نمایاں کیا جاتا ہے کہ جیسے یہ شہر بڑے ہو گئے۔ رامؔ ریاض کے نزدیک انسان کی بڑائی معاشرے کی بڑائی اور شہروں کی بڑائی ہے وگرنہ پھیلی ہوئی آبادیاں کسی ترقی کا مظہر نہیں ہو سکتیں اور نہ ہی انسان کے لیے اس سے کوئی استفادہ نکلتا ہے۔ اگر ایسی صورتِ حال میں ایک شاعر یہ کہتا ہے تو حق بجانب ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

یہ تماشا بھی دکھایا بڑے شہروں نے ہمیں
لوگ سمٹے ہوئے پھیلی ہوئی آبادی ہے(۱۷)

رامؔ ریاض کی غزلوں میں ایک اہم موضوع اس دور کے ہی نہیں بلکہ ہر دور کے معیارات کی ترجمانی کرتا ہے جہاں اہلِ سخن بھی اپنے اصل فرض سے غافل ہو کر مقتدر اور حاکم طبقے کا ساتھ دیتے ہیں۔ انھیں اہلِ سخن کے اس رویے سے سخت شکایت ہے کہ وہ کس طرح سے اپنے قلم اور اپنے سخن کو بیچ کر سر اور سردار کی حمایت کے ساتھ کھڑے نظر آتے ہیں۔ انھوں نے اپنا معیار دنیا اور آخرت دونوں کے لیے ایک جیسا کر لیا ہے اور اس پر ضد یہ ہے کہ وہ خود کو اہلِ صفا، اہلِ ہنر، اہلِ سخن، اہلِ طریقت کہلاتے نظر آتے ہیں۔ شاید کے نزدیک اہلِ قلم اور اہلِ سخن اگر ان رویوں کے حامل ہو جائیں گے تو معاشرتی بگاڑ کے سنورنے کے امکانات اور بھی معدوم ہوتے چلے جائیں گے۔ وہ اہلِ طریقت طبقہ سے مخاطب ہیں:

تم اہلِ طریقت ہو مگر اتنا رہے یاد
جائز نہیں سفاک کو سفاک نہ کہنا(۱۸)

ان کے نزدیک اگر اہلِ قلم سردار کی حمایت کے لیے کھڑے ہو جائیں گے اور ان کے نزدیک اہلِ سخن کا معیار بھی شاید اونچے سر کے ساتھ نظر آئے گا تو یہ سرداری ان لوگوں کو قبول ہو جو اس معیار کے حامی نظر آتے ہیں۔ رامؔ ریاض نہ تو اس کے حامی ہیں اور نہ ہی اس حمایت پر کسی طور راضی ہیں۔ رامؔ ریاض کے نزدیک قلم کا فرض انھیں سچ کی حمایت اور سچ کے ساتھ چلنے کا درس دیتا ہے جو کبھی بھی طاقتور کے ساتھ نہیں ہو سکتی۔ طاقت کا زُعم انسان کو اپنے اندر ایک فرعونیت عطا کرتا ہے اور اگر اہلِ قلم اس پر اپنی حمایت کی مہر لگا دیں گے تو پھر انسان اس بھری دنیا میں اکیلا نظر آئے گا۔ ظالم کے ہاتھ کی وسعت اس قدر دراز ہو جائے گی کہ کسی بھی شخص کا گریبان اس سے محفوظ نہیں رہے گا اور نہ ہی ظالم کے سامنے کھڑا ہونے کا حوصلہ کسی میں باقی رہے گا۔ اگر یہ معیار سرِ حشر بھی ہو تو رامؔ ریاض کو وہاں بھی اس معیار کو اپنانے میں کوئی دلچسپی نظر نہیں آتی یعنی وہ میدانِ حشر میں بھی ایسے معیارات کو اپنانے کا قائل نہیں ہے۔ وہ قلم کی حرمت کا اس حد تک قائل ہے کہ سرِ حشر بھی اگر اس پر نظر نہ پڑے اور وہ گمنامی میں کھڑا کہیں نظر آئے تو اسے یہ گمنامی قبول ہے مگر وہ ایسی شہرت پر کسی طور راضی نہیں جو اسے اس کے ہُنر، اس کے سخن اور اس کے فرض سے غافل کر دے۔ وہ اپنے اس شعر میں اسی کیفیت کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

میں سر حشر تجھے کیسے نظر آؤں گا

میرے قد سے تیرا معیار نظر اونچا ہے(۱۹)

شاید کوئی احساس بھی مسلسل ستاتا ہے کہ اب اس کے ہم خیال بھی اس دنیا سے کنارہ کر گئے یا پھر جو زندہ ہیں انھوں نے اسی معیار کو اپنا لیا، لہٰذا اب سر دار کے ساتھ کھڑے ہوئے اہلِ ہنر اور اہلِ سخن کا میلہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ انسان اپنی تباہی کے دہانے پر کھڑا ہے جہاں دانشور طبقہ بھی ان معیارات کا حامی اور سر دار کا ہم خیال نظر آئے:

عرضِ سخن کی جنگ تھی یا وہ اہلِ ہنر کا میلہ تھا
ہم نے دیکھا لوگ ہمیشہ سرداروں کے ساتھ رہے(۲۰)

اور جو لوگ حق کے ساتھ ہیں ان کے بدن پر مفلسی کا لباس ہے لہٰذا وہ اس فکر سے آزاد ہیں کہ ان کے اوپر کسی بھی ہوس پرست کی اجارہ داری انھیں کسی اثاثے سے محروم کر دے گی۔ انھیں نہ تو کوئی خوف ہے، نہ ڈر ہے اور نہ ہی لُٹ جانے کا اندیشہ۔ یہ احساس انفرادی نہیں بلکہ ان تمام انسانوں کا اجتماعی احساس ہے جو آج بھی اس قلم، اس ہنر، اس سخن کی حرمت کو جانتے ہیں۔ رامؔ ریاض کے نزدیک ایسے اہلِ جنوں کا الگ جہان ہے، الگ شہر ہے، لہٰذا اس شہر کے پہرے داروں، سرمایہ داروں اور اجارہ داروں کا خوف ہونے کی صورت میں بھی پریشان نہیں کرتا۔ وہ کہتے ہیں:

کھلے بدن تمام مفلسی کا شہر سو گیا
کسی کے دل میں خوف ہے نہ پہرے دار ہے(۲۱)

رامؔ ریاض کے نزدیک یہ بے خوف زندگی کے لیے ایک انعام ہے، ایک اثاثہ ہے جو عرضِ سخن کے ساتھ وفاداری کے نتیجے میں عطا ہوتا ہے۔ اور جو لوگ اس راستے پر چل پڑتے ہیں ان کی غربت دائمی نظر آنا شروع ہوتی ہے مگر وہ اس سے کسی طور بھی نالاں نظر نہیں آتے بلکہ اپنی حالت پہ مطمئن ہیں اور دیکھنے والا شاید یہ سمجھتا ہے کہ ان بستیوں میں اب غربت نام کی کوئی چیز موجود نہیں ہے۔ غربت کی یہ چادر اوڑھے یہ اہلِ سخن ہیں جو اس غربت کو اپنے لیے ایک حاصل سمجھتے ہیں اور پھر اسی میں مست رہتے ہیں۔ یہاں رامؔ ریاض ان لوگوں سے مخاطب ہیں جو شاید اس گمان میں ہیں کہ اب غربت نام کی بلا ان شہروں سے رخصت ہو چکی ہے۔ وہ ان سے یوں مخاطب ہیں:

نا آشنا ہے رامؔ جو غربت کے نام سے
اے کاش! میرے دور کے فنکار دیکھ لے(۲۲)

رامؔ ریاض خود بھی اس غربت کا شکار رہے۔ انھیں اس عہد کے ساتھ چلنے کا ہنر نہیں آیا اور نہ ہی انھوں نے حالات کے ساتھ سمجھوتہ کرنا گوارا کیا۔ وہ اپنی دنیا میں مگن رہے، بے روزگاری کے مسائل کا سامنا کیا مگر کسی سر دار کے دروازے پر جھکنا قبول نہیں کیا۔ ان کے نزدیک سر کا جھکنا انسانیت کی موت ہے لہٰذا وہ موت انھیں گوارا نہیں تھی۔ وہ اپنے شعروں میں زندہ رہنے کا ہنر جانتے ہیں اور اس ہنر کی قدر پہچانتے ہیں۔ وہ اس احساس سے بھی دور نہیں کہ یہ مایوسی غربت کی ہی دین ہے تو وہ یہاں اپنے ہم عصروں سے مخاطب ہوئے کہتے ہیں کہ زندگی ایک قید ہے مگر اس قید سے فرار کا راستہ بھی آسان نہیں ہے، لہٰذا اس کے ساتھ لڑنا، اس کے ساتھ زندگی بسر کرنا، اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنا ہی رامؔ ریاض کی شاعری کا بنیادی نکتہ نظر آتا ہے۔ وہ اپنے ساتھ بسنے والے اہلِ ہنر اور فنکار سے مخاطب ہوتے ہوئے کہتے ہیں:

یہ سوچنا جو قیدِ زندگی سے بھاگنے لگو

بہت بلند فصیل ، تار خاردار ہے(۲۳)

رامؔ ریاض کے نزدیک شاعر اور فنکار تو اس غربت کے ساتھ گزارا کر لے گا زندگی کی مشکل گھاٹیوں کا سفر اسے شاید آسان لگے مگر انسان جس ڈگر پر چل نکلا ہے۔ اس کی حرص اور ہوس نے اسے بنیادی انسانی زاویوں سے بھی بے بہرا کر دیا ہے، لہٰذا یہ حرص اور ہوس کی کار فرمائی اگر اسی طرح بڑھتی چلی گئی تو یہ دنیا رہنے کے قابل نہیں رہ جائے گی۔ یہ حرص اور ہوس مفلسی کا روپ دھار کر اس بستیوں کو کسی آدم خور قبیلے کی صورت دے دے گی۔ یہاں وہ بھوک کی علامت کا خوبصورت استعمال کرتے ہوئے کہتے ہیں:

بھوک افراد میں بڑھتی ہی چلی جاتی ہے
کہیں انسانوں کو انسان نہ کھانے لگ جائیں(۲۴)

رامؔ ریاض کی غزلوں کا ایک اور پہلو عہد کی نارسائی کے گرد گھومتا دکھائی دیتا ہے۔ ایک عمومی رویہ ہے کہ زندہ انسانوں کی قدر نہیں کی جاتی اور مرنے کے بعد ان کی قبر کے کتبے ان کی پہچان بنتے دکھائی دیتے ہیں۔ زندہ معاشرہ زندہ انسانوں کی قدر کرتا ہے اور اگر یہ روش عام ہو جائے کہ مرنے کے بعد ہی کسی کو تسلیم کیا جائے گا تو فنکار شاید اپنے قلم سے محبت کا فرض نبھاتے ہوئے ہچکچاتا ہوا دکھائی دے گا:

شاید ہمارے بعد ہمیں کوئی پوچھ لے
ہم نے بھی اپنے نام کا کتبہ لکھا لیا(۲۵)

رامؔ ریاض کا یہ شعر انھی انسانی رویوں پر طنز کرتا دکھائی دیتا ہے۔ ان کے نزدیک زندہ انسانوں کو قبروں میں بھیجنے والے بعد میں قبروں پر پھول رکھ کر تصویریں بنا کر اپنے لیے عزت کا سامان کرتے ہیں یہ روش اہلِ ہنر کے لیے عمومی طور پر دیکھی جا سکتی ہے ۔ساغرؔ صدیقی نے کہا تھا:

میرے مزار پہ آ کے دیے جلائے گا
وہ میرے بعد میری زندگی میں آئے گا(۲۶)

رامؔ ریاض نے جہاں اس احساس کو اپنے شعروں میں سمویا ہے کہ زندہ انسانوں کی قدر نہیں کی جاتی اور قبر کے کتبے ایسے اہلِ ہنر کی پہچان بنتے ہیں وہاں انھیں یہ احساس بھی شدت سے کھائے جا رہا ہے کہ کتنے ہی ایسے گمنام قبروں تلے دبے پڑے ہیں، جنھیں مرنے کے بعد بھی پذیرائی نہ ملی اور گمنامیاں ان کا مقدر رہیں۔ وہ معاشرے کے ان انسانی رویوں پر طنز کرتے ہیں اور پھر اپنے اس شعر میں اس گمان کو بھی لاتے دکھائی دیتے ہیں کہ بہت سے ایسے بھی ہیں جو قبر میں جانے کے بعد بھی اپنے قدر دانوں کے انتظار میں رہے:

ہمارا خون بھی گمنامیوں کے کام آیا
سرہانے سنگ کوئی ایستادہ بھی نہ کیا(۲۷)

رامؔ ریاض شعور کی گہرائی کے شاعر ہیں۔ وہ معاشرے میں پائی جانے والی طبقاتی تقسیم کو بھی خوب محسوس کرتے ہیں اور مارکس کے فلسفے کے مطابق وسائل پر محدود طبقے کی اجارہ داری پر بھی دسترس رکھتے ہیں۔ جہاں ایک طرف ان کی زندگی کو پُر آسائش بناتی ہے تو ان آسائشوں کے بدلے میں کتنے ہی لوگ ایسے ہیں جن کی حق تلفیاں انسانی زندگی کا بدنما داغ بن جاتی ہیں۔ شاعر کا کمال ہے کہ وہ اتنے بڑے فلسفے کو ایک شعر کی صورت دے کر اس بڑے مضمون کو نہایت سادہ اور سلیس انداز میں پیش کرتا دکھائی دیتا ہے ۔رامؔ ریاض اس معاشرے کا زندہ فرد ہے طبقوں میں بٹے ہوئے انسانوں کی مجبوریاں اور محرومیاں اسے قابل قبول نہیں وہ انسان کو

انسان سمجھنے کا قائل اور وسائل کی مناسب اور مساوی تقسیم کا قائل دکھائی دیتا ہے:

جتنے موتی تیری پوشاک کی تقدیر ہوئے
اتنے پیوند میرے بخت ردا میں آئے(۲۸)

رامؔ ریاض ان سب رویوں کو دیکھنے کے بعد بھی مایوس دکھائی نہیں دیتا۔ اس کے نزدیک یہ نظام عارضی ہے اور ذرا سی ٹھوکر، تیز ہوا کا ایک جھونکا، اس سارے نظام کو جڑوں سے ہلا کے رکھ دے گا، پھر نہ یہ اونچے محل بچیں گے، نہ ہی ان محلوں میں بسنے والے انسانوں کو اپنی حیثیت ایسے نظر آئے گی جس طرح انھیں دوسرے انسانوں پر لازوال اور دائمی فوقیت عطا کی گئی ہو۔ ان کے نزدیک یہ نظام ریت سے بنا ہوا ہے اور ایک ہوا کا جھونکا اسے ہلا کے رکھ دے گا۔ ان کے نزدیک یہ کھوکھلا پن اس معاشرے کے بدنما چہرے کا عکاس ہے، لہٰذا اسے دائمی اور ابدی سمجھنے والے کسی واہمے کا شکار ہیں:

تیز ہوا کے چلتے ہی یہ ریگ محل اڑ جائیں گے
آؤ چھوڑ کے شہروں کو ، آباد کریں پھر غاروں کو(۲۹)

اس نظام کے ساتھ وابستہ لوگوں کو جو اپنے آپ کو دوسرے انسانوں سے بلند تر اور اونچی اڑان کا حامل سمجھتے ہیں متنبہ کر رہے ہیں کہ یہ نظام جاتے ہی تمھاری اوقات تمھاری آنکھوں کے سامنے آجائے گی۔ شاید تمھیں اتنی بلندی سے گرنا قبول نہ ہو، لہٰذا اس لازمی اور آنے والی تکلیف سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ انسانی معاشرے میں خود ہی سدھار کی کوشش کریں اور اس نظام کے اندر سے وہ اصل نظام، اصل انسانی اخلاقیات اور انسانی قدریں کھوج نکالیں جو انسان کو انسان بنانے کے لیے مدد اور مددگار ہو سکتی ہیں۔ وہ ان لوگوں سے کچھ اس طرح سے مخاطب ہیں:

فضا میں کس قدر اونچی اڑان رکھتے تھے
ہوا تھمی تو کیسے گرے دھڑام سے لوگ
یہ احتیاط کا عالم ہے رام دن میں بھی
کوئی پکارے تو ڈرتے ہیں اپنے نام سے لوگ(۳۰)

رامؔ ریاض کی شاعری خالص انسانی جذبوں اور احساسات کی شاعری ہے۔ وہ وہ اپنی غزلوں کے ذریعے سے انسانی معاشرے کو سدھارنے کی خواہش رکھتے ہیں۔ جہاں انسان صرف انسانوں کے لیے ہی نہیں بلکہ دیگر مخلوقات کے لیے بھی اشرف المخلوقات کا روپ دھارتا نظر آئے، جہاں اس کا ہم جنس اس سے ڈرنے کی بجائے اس کے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کے کھڑا ہو۔ اس کائنات کے تمام تر جانور، شجر، حجر اس سے مانوس نظر آئیں اور وہ اس دنیا کو سدھارنے والا نظر آئے۔ رامؔ ریاض کے نزدیک دنیا کی یہ ساری کجرویاں انسان کی خود پیدا کردہ ہیں اور اس نے اپنے لیے ایسے نظام خود وضع کیے جو ان کے لیے وقتی عزت، مفاد اور کھوکھلی اجارہ داری کے حامل تھے۔ مگر رامؔ ریاض اس خواہش کا اظہار کرتے نظر آتے ہیں کہ انسان تب ہی صحیح معنوں میں انسان کہلانے کا حقدار ہو گا جب وہ اس کائنات میں اپنے مقصد اور اپنی تخلیق کے فرض کو پہچان سکے گا۔ ان کا یہ شعر اسی جذبے کا عکاس ہے:

ان کو اتنے تو پر و بال مہیا کر دے
یہ پکھیرو تیری آواز پہ آنے لگ جائیں(۳۱)

رامؔ ریاض کی غزلوں کے موضوعات جہاں وسیع تر فلسفہ و فکر کے عکاس ہیں وہیں انسانی رویوں کی کج ادائیاں اور کج رویے

ان کا محبوب موضوع نظر آتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ عقیل عباس جعفری، پاکستان کرونیکل، کراچی، فضلی سنز، ۲۰۱۰ء، ص:۶۷۵

۲۔ رام ریاض، پیڑ اور پتے، لاہور، ماورا بکس، س ن

۳۔ ایضاً، ص:۹۲

۴۔ ص:۱۳۱

۵۔ حالی، الطاف حسین، کلیاتِ حالی، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۷۶ء، ص:۷۸

۶۔ رام ریاض، پیڑ اور پتے، ص:۴۳

۷۔ ایضاً، ص:۲۶

۸۔ ثناء اللہ ظہیر، کہانی، فیصل آباد: ۲۰۰۷ء، ص:۵۷

۹۔ رام ریاض، پیڑ اور پتے، ص:۱۳۹

۱۰۔ ایضاً، ص:۶۳

۱۱۔ ایضاً، ص:۱۳

۱۲۔ ایضاً، ص:۳۲

۱۳۔ خالد شریف، مدار نارسائی میں، لاہور، ماورہ پبلشرز، ۱۹۹۱ء، ص:۳۱

۱۴۔ رام ریاض، پیڑ اور پتے، ص:۳۲

۱۵۔ ایضاً، ص:۲۰

۱۶۔ ایضاً، ص:۵۹

۱۷۔ ایضاً، ص:۷۳

۱۸۔ ایضاً، ص:۸۰

۱۹۔ ایضاً، ص:۸۹

۲۰۔ ایضاً، ص:۴۲

۲۱۔ ایضاً، ص:۲۹

۲۲۔ ایضاً، ص:۴۴

۲۳۔ ایضاً، ص:۲۹

۲۴۔ ایضاً، ص:۴۹

۲۵۔ ایضاً، ص:۲۴

۲۶۔ ساغر صدیقی، کلامِ ساغر، لاہور، مکتبہ میری لائبریری، ۱۹۸۶ء، ص:۶۴

۲۷۔ رام ریاض، پیڑ اور پتے، ص:۶۰

۲۸۔ ایضاً، ص:۵۲

۲۹۔ ایضاً، ص:۳۰

۳۰۔ ایضاً، ص:۴۸

۳۱۔ ایضاً، ص:۵۰

References in Roman Script:

1. Aqeel Abbas Jafri, *Pakistan Chronicle*, Karachi, Fazli Sons, 2010, p. 675.
2. Ram Riyaz, *Peer aur Pattay*, Lahore: Mavra Books, n.d.
3. Ibid., p. 92.
4. Ibid., p. 131.
5. Hali, Altaf Hussain, *Kulliyat-e-Hali*, Lahore: Sheikh Ghulam Ali & Sons, 1976, p. 78.
6. Ram Riyaz, *Peer aur Pattay*, p. 43.
7. Ibid., p. 26.
8. Sanaullah Zaheer, *Kahani*, Faisalabad, 2007, p. 57.
9. Ram Riyaz, *Peer aur Pattay*, p. 139.
10. Ibid., p. 63.
11. Ibid., p. 13.
12. Ibid., p. 32.
13. Khalid Shareef, *Madar Na Rasai Mein*, Lahore: Mavrah Publishers, 1991, p. 31.
14. Ram Riyaz, *Peer aur Pattay*, p. 32.
15. Ibid., p. 20.
16. Ibid., p. 59.
17. Ibid., p. 73.
18. Ibid., p. 80.
19. Ibid., p. 89.
20. Ibid., p. 42.
21. Ibid., p. 29.
22. Ibid., p. 44.
23. Ibid., p. 29.
24. Ibid., p. 49.

25. Ibid., p. 24.

26. Saghir Siddiqui, *Kalam-e-Saghir*, Lahore: Maktaba Meri Library, 1986, p. 64.

27. Ram Riyaz, *Peer aur Pattay*, p. 60.

28. Ibid., p. 52.

29. Ibid., p. 30.

30. Ibid., p. 48.

31. Ibid., p. 50.